منٹو کے افسانوی اُسلوب کا جمالیاتی پہلو

منٹو کا اُسلوب دراصل افسانوی ادب کا وہ روشن اُسلوب ہے جو قاری کے شعور و احساس کو متاثر کرتا ہے اور بصیرت بھی عطا کرتا ہے۔ان کی افسانوی اور فنکارانہ بصیرت نے ان کے اُسلوب کو خلق کیا ہے۔منٹو کی زبان و بیان کے ذریعہ ہندوستان کی سماجی صورتِ حال اور تہذیبی وحدت کا پتہ چلتا ہے۔ان کے اُسلوب میں ان کی شخصیت کے کئی پہلوؤں کو شدید طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ان کے کرداروں کے تجربے ان کا اپنا تجربہ بن گیا ہے۔مختلف موضوعات پر مشتمل منٹو کے افسانوں کے فنکارانہ پیشکش کرداروں کے جذبات و احساسات اور ذہنی کشمکش کے جوہر کو جس طرح نمایاں کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ منٹو نے کس طرح تمام واقعات و حادثات اور کرداروں کے اعمال کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے۔ان کے افسانوں کے مختلف موضوعات، مواد اور بعض پیچیدہ اور نازک issues کو سمجھنے میں ویژن کا کارنامہ بھی کم اہم نہیں ہے۔یہ منٹو کے ویژن ہی کا کرشمہ ہے کہ افسانوں کے کئی بے معنی الفاظ اور جملوں کے ذریعہ نہ جانے کتنے بامعنی مفاہیم اور سچائیوں تک پہنچنے کی کامیاب کوشش ملتی ہے۔کرداروں کے جذبات کے اظہار میں توازن ہے۔جنسی تسکین اور جنسی تلذز حاصل کرنے کے دوران عورت کے بدن سے نکلنے والی خوشبو کے ذکر سے قاری کے احساس و شعور اور اس کے پورے وجود کو معطر کرنے کا جو اسلوب منٹو نے خلق کیا ہے وہ کسی دوسرے افسانہ نگار کے بس کی بات نہیں ہے۔مختلف نوعیت کے جنسی تجربوں کے بیان میں مطابقت اور ہم آہنگی کا بھی ایک منفرد اور خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔مختلف کرداروں کی نفسیات، حرکات و سکنات اور ان کی گفتار کے آہنگ کو منٹو نے اس طرح پیش کیا ہے کہ اُسلوب کی دل کشی اور دل آویزی اور بڑھ گئی ہے۔ان کے اسلوب میں موضوع اور ہیئت کی مطابقت اور ہم آہنگی انبساط بھی عطا کرتی ہے اور انسانیت کے تئیں بیدار بھی کرتی ہے۔منٹو کے اسلوب کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ قاری کے حواس بیدار ہونے لگتے ہیں، وہ منٹو کی طرح سوچنے اور محسوس کرنے لگتے ہیں۔منٹو کے اسلوب میں ابلاغ کا ایک خاص حسن ہے۔افسانوں کی عبارتوں کے داخلی آہنگ نے ان کے افسانوی اسلوب میں بڑی مطابقت اور ہم آہنگی پیدا کی ہے۔افسانوں کے موضوعات اور خیالات و جذبات کی وحدت نے ان کے اسلوب کو اور زیادہ موثر اور جاذب نظر بنا دیا ہے۔تمام افسانوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کے اسلوب کی کئی جہتیں نمایاں ہوں گی۔منٹو کے افسانوں کی نفسیاتی پیچیدگی کو آسان بنانے اور دل و دماغ میں اتارنے کے لیے ان کے اسلوب کی کئی صورتیں مزید نمایاں ہوئی ہیں۔اسلوب کی ان جہتوں میں جو توانائی اور آہنگ ہے وہ ان کے افسانوں کے موضوعات سے گہرا رشتہ رکھتی ہیں۔

ناقدینِ منٹو نے ہمیشہ ان کی شخصیت اور فن کو فحش نگاری اور حقیقت نگاری میں الجھائے رکھا جبکہ بیشتر ناقدین Textuality اور Sexuality کے جوہر کو سمجھنے سے بھی قاصر ہیں۔اس مقالے میں منٹو کو ان کے افسانوی اسلوب کے جمالیاتی پہلو کے آئینہ میں دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔کیوں کہ اسلوبیات کے مروجہ اصولوں کے ذریعہ ادب کے اصل جوہر یا کسی فنکار کے فن کی روح تک رسائی ممکن نہیں ہے۔ماہرین اسلوبیات کا بھی خیال ہے کہ ''اسلوبیات کے پاس خبر ہے نظر نہیں'' اسلوبیات صرف تنقید کی مدد کرتا ہے لیکن اس کے پاس ادبی ذوق یا جمالیاتی ویژن نہیں ہوتا ہے۔لہٰذا منٹو کو ان کے اسلوب کے خارجی پہلوؤں کے بجائے جمالیاتی پہلوؤں یعنی اسلوب بہ حیثیت تزئین کاری سے قطع نظر اس کے معنیاتی پہلوؤں اور اس کے جمال کی

روشنی میں دریافت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

منٹو کے اسلوب کی تشکیل میں ان کی مخصوص طبیعت کا بھی اہم رول رہا ہے۔ مثلاً منٹو بنیادی طور پر لاابالی اور باغی طبیعت کے انسان تھے۔ نظام تعلیم اور دین و مذہب سے لاتعلقی ان کے مزاج میں تھی۔ جوئے، شراب اور بدنام لوگوں کی صحبت سے انہیں خاص دلچسپی تھی۔ انہوں نے اپنی نوجوانی کے حالات اور ذہنی کیفیات کے متعلق لکھا ہے:

''یہ وہ زمانہ تھا جب میں نے آوارہ گردی شروع کر دی تھی۔ طبیعت ہر وقت اچاٹ سی رہتی تھی۔ ایک عجیب قسم کی کھد بد ہر وقت دماغ میں ہوتی رہتی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ جو چیز بھی سامنے آئے اسے چکھوں، خواہ وہ انتہائی درجہ کی کڑوی کیوں نہ ہو۔''

شاید یہی وجہ ہے کہ منٹو نے عام روایت سے ہٹ کر اپنے بیشتر افسانوں میں ایسے افراد کا انتخاب کیا اور ان کی زندگی اور مسائل کو موضوع بنایا جو سماج کے دبے کچلے، ناپسندیدہ اور انتہائی غلیظ قسم کے انسان تصور کیے جاتے ہیں۔ جن کے متعلق بات کرنا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے لیکن منٹو نے سماج کے سفید پوش طبقہ کی پرواہ کیے بغیر ان کے احساسات و خیالات اور سوچ و فکر سے ہمیں متعارف کرایا اور ان کے مسائل کے متعلق ہمیں سوچنے کے لیے مجبور کیا۔ منٹو نے سماج کی بدصورتی اور پستی کی تصویر کشی کے لیے جو اسلوب اور پیرایہ بیان خلق کیا ہے وہ قاری کی شدتِ احساس کو تیز سے تیز تر کر دیتا ہے اور قاری خود کو اسی ماحول کا حصہ سمجھنے لگتا ہے۔ سنسکرت جمالیات کے مطابق اسی کو 'رس' کہتے ہیں اور یہی تخلیقی عمل کا نقطۂ عروج بھی ہے۔ ایک طوائف کی زندگی میں جو اتھل پتھل، انتشار، اضطراب، غلاظت اور ناپاکیاں ہوتی ہیں ان کی جیتی جاگتی تصویر افسانہ ''ہتک'' کی مرکزی کردار 'سوگندھی' کا چھوٹا سا کمرہ ہے جس میں بے ترتیبی کے ساتھ بکھری ہوئی چیزیں مثلاً اس کا خارش زدہ کتّا، ایک طوطے کا لٹکتا ہوا پنجرہ اور دیوار گیر پر رکھے ہوئے میکپ کے سامان ہیں جن کی تصویر منٹو نے اس طرح کھینچی ہے:

''کمرہ بہت چھوٹا تھا جس میں بے شمار چیزیں بے ترتیبی کے ساتھ بکھری ہوئی تھیں۔ تین چار سوکھے سڑے چپّل پلنگ کے نیچے پڑے تھے جن کے اوپر منھ رکھ کر ایک خارش زدہ کتّا سو رہا تھا اور نیند میں کسی غیر مرئی چیز کا منھ چڑا رہا تھا۔ اس کتّے کے بال جگہ جگہ سے خارش کے باعث اڑ رہے تھے، دور سے اگر کوئی اس کتّے کو دیکھتا تو سمجھتا کہ پیر پونچھنے والا پرانا ٹاٹ دوہرا کر کے زمین پر رکھا ہے۔ اس طرف چھوٹے سے دیوار گیر پر سنگار کا سامان رکھا تھا گالوں پر لگانے کی سرخی، ہوٹوں کی سرخ بتّی، پاوڈر، کنگھی اور لوہے کے پن جو وہ غالباً اپنے جوڑے میں لگایا کرتی تھی۔ پاس ہی میں ایک لمبی کھونٹی کے ساتھ سبز طوطے کا پنجرہ لٹک رہا تھا، جو گردن کو اپنے پیٹھ کے بالوں میں چھپائے سو رہا تھا۔ پنجرہ پکے کچے امرود کے ٹکڑوں اور گلے ہوئے سنگترے کے چھلکوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان بدبودار ٹکڑوں پر چھوٹے چھوٹے کالے رنگ کے مچھر یا پتنگے اُڑ رہے تھے۔'' (ہتک)

منٹو نے سوگندھی کے کمرے کی تصویر کشی جس اسلوب اور پیرایۂ بیان میں کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منٹو نے خود بھی اس زندگی کو جیا ہے۔ ویسے ایک بڑے فنکار کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسی زندگی جینے کے بعد ہی اس طرح کے افسانے کی تخلیق کرے۔ ایک بڑا تخلیق کار تخلیقی عمل سے گذرتے وقت اپنے لیے ایک نئی دنیا، نئے کردار نیا ماحول نئے مناظر خلق کر لیتا ہے جس کے ذرّے ذرّے میں اسی کا پرتو نظر آتا ہے یا جس دنیا کی مخلوق اور فضا کو اپنی تخلیقات کا موضوع بناتا ہے اس کے تمام کرداروں کے جذبات و احساسات سے اپنی روح کو ہم آہنگ کر لیتا ہے اور ان کے ماحول اور فضا کو اپنی آنکھوں میں ایسے بسا لیتا ہے کہ کرداروں کے سانسوں کے زیر و بم میں اس کی سانس کی گرمی کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے بعد تخلیق کار کا جو اسلوب وضع ہوتا ہے اس میں فنکار کے دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے۔ منٹو نے طوائفوں کے کردار، ان کے جذبات و احساسات، ان کی زندگی اور ان کے ماحول کو اپنے اندر جذب کر کے جو اسلوب خلق کیا ہے اس میں طوائفوں کی زندگی کی غلاظت، پستی اور تاریکی کی منظر کشی فطری معلوم ہوتی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طوائفوں کی

دنیا کے تمام کرداروں کے سینوں میں منٹو کا ہی دل دھڑک رہا ہے، ان کے رگوں میں منٹو کا ہی خون دوڑ رہا ہے اور ان کے جذبات واحساسات میں منٹو کے جذبات واحساسات کا عکس نظر آتا ہے۔ منٹو کے قاری بھی خود کو اس دنیا سے قریب تر محسوس کرنے لگتے ہیں اور ان کے غم میں شریک ہو جاتے ہیں۔ یہی منٹو کے اسلوب کی جادوگری کا کمال ہے۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن نے منٹو کے پیرایۂ بیان اور اسلوب پر تبصرہ کرتے ہوئے بجا لکھا ہے:

''منٹو کے تخلیقی عمل کے ہیجان انگیز بہاؤ سے گہرائی ابھرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ لگتا ہے ''گہرائی'' آہستہ آہستہ اوپر آ رہی ہے، ان کے اکثر افسانوں میں ''گہرائی'' کے اوپر آنے کا منظر ملتا ہے، تاریکی کی روح یا آتما کو تخلیقی فنکار جوہر اور جلوہ بنا دیتا ہے، تاریکی کے اندر جو حسن نظر آتا ہے وہ زندگی کی کئی جہتوں سے آشنا کر کے آسودگی حاصل کرنے کے لیے اکساتا ہے۔ ہم گہرائی کے جمال سے محظوظ ہوتے ہیں، ''گہرائی'' سے ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے، ہم گہرائی سے پیار کرنے لگتے ہیں، جتنا بھی تکلیف دہ منظر ہو، جتنی بھی اداسی اور گہری اداسی ہو، فنکار کا تخلیقی ذہن ایسے منظر اور اداسی کو روحانی کپکپی (Spiritual trembling) میں تبدیل کر دیتا ہے اور ہم باطنی سطح پر تخلیق کے حسن کو پا لیتے ہیں۔'' (منٹو شناسی، ص۔15)

فکشن کے بیشتر ناقدین کا خیال ہے کہ کرشن چند کے افسانوں میں جو رومانی اسلوب پایا جاتا ہے وہ منٹو کے اسلوب میں موجود نہیں ہے۔ لیکن ناقدین شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ کرشن چند کے بیشتر افسانے کشمیر کی حسین وادیوں کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں جبکہ منٹو کا محبوب ترین موضوع طوائفوں کی زندگی، ان کی زندگی کی پستی، تاریکیاں اور ان کے مسائل رہے ہیں۔ پھر بھی ان کے بعض افسانوں اور تحریروں میں فطرت کے حسین مناظر کی بھی تصویر کشی ملتی ہے۔ منٹو نے اپنی کہانیوں، کرداروں اور ماحول کی مناسبت سے خوبصورت اور پُر لطف فضا اور قدرت کے حسین مناظر کو اپنے اندر جذب کر کے سحر انگیز اسلوب خلق کیا ہے۔ منٹو کے ایسے اسلوب کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب اس منٹو کا نہیں ہو سکتا جس نے ''ہتک'' کی غلاظت اور ''ٹوبا ٹیک سنگھ'' کے پاگلوں کی نفسیاتی کشمکش کی تصویر کھینچی ہے۔ دراصل بڑا فنکار جب کسی خاص ماحول یا فضا کی تصویر کی تشکیل کرتا ہے تو اس میں زندگی کی روح پھونک دیتا ہے اور اس میں اس طرح حرکت پیدا کر دیتا ہے کہ قاری کے سامنے تمام مناظر رقص کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے مختلف افسانوں کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

''جب طلوع ہوتے ہوئے سورج کی طلائی کرنیں چیر کے دراز درختوں سے چھن چھن کر ہمارے پاس والے نالے کے خشم آلود پانی سے اٹکھیلیاں کر رہی ہوتیں اور آس پاس کی جھاڑیوں میں ننھے ننھے پرندے اپنے گلے پھلا پھلا کر چیخ رہے ہوتے۔ یوں کہیے کہ قدرت کو اپنے خواب سے بیدار ہوتا دیکھتے تھے۔ صبح کی ہلکی پھلکی ہوا میں شبنم آلود سبز جھاڑیوں کی دلنواز سرسراہٹ، نالے میں سنگریزوں سے کھیلتے ہوئے کف آلود پانی کا شور اور برسات کے پانی میں بھیگی ہوئی مٹی کی بھینی بھینی خوشبو چند ایسی چیزیں تھیں جو ہمارے سنگین سینوں میں ایک ایسی لطافت پیدا کر دیتی تھیں جو زندگی کے اس دوزخ میں ہمیں بہشت کے خواب دکھلانے لگتیں۔'' (شغل)

''دور بہت دور جہاں سمندر اور آسمان گھل مل رہے تھے، بڑی بڑی لہریں آہستہ آہستہ اٹھ رہی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا ایک بہت بڑا گدلے رنگ کا قالین جسے ادھر ادھر سے سمیٹا جا رہا ہے۔ ساحل کے سب قمقمے روشن تھے جن کا عکس کنارے کے لرزاں پانی پر کپکپاتی ہوئی موٹی موٹی لکیروں کی صورت میں جگہ جگہ رینگ رہا تھا۔ میرے پاس پتھریلی دیوار کے نیچے کئی کشتیوں کے لپٹے ہوئے بادبان اور بانس ہولے ہولے حرکت کر رہے تھے۔ سمندر کی لہروں اور تماشائیوں کی آواز ایک گنگناہٹ بن کر فضا میں گھلی ہوئی تھی۔'' (بانجھ)

منٹو نے الفاظ کی آرائش یا زیبائش کے ظاہری جمال وجلال پر جتنی توجہ دی ہے اس سے کہیں زیادہ توجہ زبان کی امتیازی کیفیت پر دی ہے اور اس کے

پوشیدہ امکانات کو بروئے کار لانے کی کوشش کی ہے۔اس کی بہترین مثال افسانہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' ہے جو تقسیم ہند کا المیہ ہے جس میں ان کے اسلوب نے اسے نفسیاتی احساس میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ ایک غیر معمولی افسانہ ہے جو ہماری تاریخی، سماجی، تہذیبی اور نفسیاتی عوامل کے قصے کی ایک معنی خیز استعارہ بن چکا ہے۔منٹو نے اس افسانہ کے مرکزی کردار بسن سنگھ کی ذہنی کیفیت جس اسلوب اور پیرایۂ بیان میں پیش کی ہے اس سے قاری تڑپ کر رہ جاتا ہے اور وہ بسن سنگھ کی ذہنی کیفیت کو اسی طرح محسوس کرنے لگتا ہے جس طرح منٹو نے محسوس کیا تھا:

''اوپڑی گڑ گڑ دی انیکس دی بے دھیان ونگ دی وال آف دی لالٹین'' پھر بعد میں ''اوپڑی گڑ گڑ دی انیکسی دی بے دھیان ونگ دی وال آف دی پاکستان گورنمنٹ''

ان جملوں کی کیفیت کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے حرف والفاظ کی ترتیب سے اس کے حسن وخوبی کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ہے۔بشن سنگھ کے یہ بے معنی جملے صرف اس کی ذہنی کیفیت کا آئینہ نہیں ہیں بلکہ منٹو کی ذہنی کرب اور کیفیت کے بھی ترجمان ہیں۔اس افسانہ میں منٹو نے انکشاف ذات کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

افسانہ ''بابو گوپی ناتھ'' میں بعض جملے اور الفاظ مثلاً .....آپ ہیں بابو گوپی ناتھ بڑے خانہ خراب،.....لاہور سے جھک مارتے مارتے بمبئی تشریف لائے ہیں،.....لاہور کی کوئی مشہور جسم فروش ایسی نہ تھی جس سے بابو صاحب کی کنٹی نیوٹی نہ ملی ہو،.....دو برسوں ہی میں میرا دھڑن تختہ کر کے رکھ دیا،.....آخر بابو صاحب نے مقدمے جیت لیا اور اسے یہاں لے آئے — دھڑن تختہ!،.....رنگ کالا ہے مگر ویسے بڑی ٹٹ فورٹیٹ قسم کی عورت ہے، وغیرہ جملوں میں کنٹی نیوٹی، ٹٹ فورٹٹ، دھڑن تختہ اور اس کے علاوہ اینٹی کی پینٹی پو، ٹین ٹپوٹی، فل فل فوٹی اور اینٹی فوٹی اور اینٹی فلوجسٹین وغیرہ الفاظ جو سینڈو دورانِ گفتگو بے ساختہ اور کثرت سے استعمال کرتا ہے۔ یہ جملے اور الفاظ بظاہر بے معنی اور مبہم معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ منٹو کے مخصوص اسلوب میں ڈھل کر بامعنی ہو گئے ہیں اور اس دور کے سماج کی ناہمواری، تہذیب کی زوال اور شکست وریخت کے مظہر بن گئے ہیں۔

منٹو ایک فطری فنکار تھے۔فطری تخلیق کار کا کمال یہ ہے کہ وہ جس چیز کو دیکھتا ہے اسے بہت غور سے دیکھتا ہے اور اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔اسے اپنی زندگی کا حصہ بنا لیتا ہے۔منٹو نے بھی جس موضوع پر لکھا اسے پہلے اپنے دل کی گہرائیوں میں اتار لیا۔وہ اپنے کرداروں کو اپنے رگ وپے میں پیوست کر لیا۔اسی لیے ان کے کرداروں میں ان کے ہی دل کی ڈھڑکن سنائی دیتی ہے۔منٹو نے کئی افسانوں میں اپنے کرداروں کی ذہنی کرب، ذہنی اور جذباتی تصادم کی خوبصورت تصویریں پیش کی ہیں۔ان افسانوں میں 'ہتک' کا مرکزی کردار 'سوگندھی' قابل ذکر ہے۔سوگندھی کو ایک سیٹھ کے ذریعہ ٹھکرا دیئے جانے کے بعد جب اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ اس کی 'ہتک' یعنی بے عزتی ہوئی ہے تو وہ تلملا کر رہ جاتی ہے اور اس پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہوتی ہے۔منٹو نے اس کی ذلت آمیز کیفیت، ذہنی کرب اور ردِ عمل کے اظہار کے لیے جو اسلوب خلق کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہتک سوگندھی کی نہیں، منٹو کی ہوئی ہے:

''سوگندھی سوچ رہی تھی اور اس کے پیر کے انگوٹھے سے لے کر سر کی چوٹی تک گرم لہریں دوڑ رہی تھیں، اس کو کبھی اپنے آپ پر غصہ آتا تھا اور کبھی رام دلال پر جس نے رات کے دو بجے اسے بے آرام کیا لیکن فوراً ہی دونوں کو بے قصور پا کر وہ سیٹھ کا خیال کرتی تھی، اس خیال کے آتے ہی اس کی آنکھیں، اس کے کان، اس کی بانہیں، اس کی ٹانگیں، اس کا سب کچھ مڑتا تھا کہ اس سیٹھ کو کہیں دیکھ پائے، اس کے اندر یہ خواہش بڑی شدت سے پیدا ہو رہی تھی کہ جو کچھ ہو چکا ہے ایک بار پھر ہو، صرف ایک بار — وہ ہولے ہولے موٹر کی طرف بڑھے، موٹر کے اندر سے ایک ہاتھ باہر نکالے اور اس کے چہرے پر روشنی پھینکے۔''اونہہ'' کی آواز آئے اور وہ سوگندھی اندھا دھند اپنے پنجوں سے اس کا منھ نوچنا شروع کر دے، وحشی بلی کی طرح جھپٹے اور — اور اپنی انگلیوں کے سارے

ناخن جو اس نے موجودہ فیشن کے مطابق بڑھا رکھے تھے اس سیٹھ کے گالوں میں گاڑ دے، بالوں سے پکڑ کر اسے باہر گھسیٹ لے اور دھڑا دھڑ مکے مارنا شروع کر دے اور جب تھک جائے — جب تھک جائے تو رونا شروع کر دے۔'' (ہتک)

اس عبارت میں منٹو کے جارحانہ اسلوب نے سیدھی سادی سوگندھی کو ایک وحشی بلّی بنا دیا ہے۔

منٹو کا اسلوب بظاہر سادہ معلوم ہوتا ہے لیکن بعض افسانوں میں طنز کی نشتریت بھی پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر تقسیم ہند کے موضوع پر لکھا گیا افسانہ 'ٹوبہ ٹیک سنگھ' میں مذہب کے نام پر تقسیم ہند کے دوررس اثرات اور مسائل کے مدنظر منٹو نے شدید ردِّعمل کا اظہار کیا ہے۔ افسانے کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ منٹو تقسیم ہند کے شدید مخالف تھے اور عجیب و غریب کرب محسوس کر رہے تھے۔ منٹو نے اپنے ذہنی اذیت کے اظہار کے لیے ایسے کرداروں کو خلق کیا جو پاگل ہیں اور لاہور کے جیل میں بند ہیں۔ تقسیم ہند کے کرب کے اظہار اور پاگلوں کی گفتگو کے لیے جو طنزیہ پیرایہ بیان یا اسلوب اختیار کیا ہے اس کی نشتریت سے اس دور کے نہ صرف رہنما بلکہ قاری بھی تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔ منٹو کے طنزیہ اسلوب سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں طنزیہ نثر کی تخلیق میں بلا کی قدرت حاصل تھی۔ طنزیہ ادب کی اہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے سنسکرت اچاریوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ وہ ادب، ادب کہلانے کا مستحق نہیں ہے جس میں طنز کی نشتریت نہ ہو۔ مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجئے۔

''ایک مسلمان پاگل جو بارہ برس سے ہر روز باقاعدگی کے ساتھ 'زمیندار' پڑھتا تھا اس سے جب اس کے ایک دوست نے پوچھا ''مولوی صاحب، یہ پاکستان کیا ہوتا ہے؟ تو اس نے بڑے غور و فکر کے بعد جواب دیا۔ ''ہندوستان میں ایک ایسی جگہ ہے جہاں استرے بنتے ہیں۔'' یہ جواب سن کر اس کا دوست مطمئن ہو گیا۔'' ..... ''وہ خود اسی الجھاو میں گرفتار ہو جاتے تھے کہ سیال کوٹ پہلے ہندوستان میں ہوتا تھا پر اب سنا ہے کہ پاکستان میں ہے۔ کیا پتہ کہ لاہور جو اب پاکستان میں ہے، کب ہندوستان میں چلا جائے گا یا سارا ہندوستان ہی پاکستان بن جائے گا۔ اور یہ بھی کون سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کسی دن سرے سے غائب نہیں ہو جائیں گے۔ (ٹوبا ٹیک سنگھ)

منٹو نے پاکستان کو ہندوستان کے ایک ایسے خطہ سے تعبیر کیا ہے جہاں استرے بنتے ہیں۔ منٹو کا یہ بیان پاکستان کے وجود پر گہرا طنز ہے۔ منٹو نے تقسیم کے دوررس اثرات پر اظہار خیال کرتے ہوئے جس طرح دونوں ملکوں کے وجود پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے اور پاگلوں کی زبان سے یہ کہہ کر کہ ''سیال کوٹ پہلے ہندوستان میں ہوتا تھا پر اب سنا ہے کہ پاکستان میں ہے۔ کیا پتہ کہ لاہور جو اب پاکستان میں ہے، کب ہندوستان میں چلا جائے گا یا سارا ہندوستان ہی پاکستان بن جائے گا۔ اور یہ بھی کون سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں کسی دن سرے سے غائب نہیں ہو جائیں گے'' گہرا طنز کیا ہے۔ یہی منٹو کا منفرد اسلوب ہے جسے دور سے پہچانا جا سکتا ہے۔

جنس منٹو کا پسندیدہ موضوع رہا ہے کیوں کہ یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ بقول شکیل الرحمٰن ''ہر مرد کے اندر عورت ہے اور ہر عورت کے اندر مرد، یہ دونوں حقیقتیں ایک دوسرے سے اس وقت ملتی ہیں جب یوگ سے انہیں بیدار کیا جاتا ہے''۔ سیکس جمالیاتی انبساط و آسودگی کا سب سے بڑا ذریعہ بھی ہے۔ جنسی عمل کے انبساط میں جسم کا جمال و جلال مختلف رنگوں میں ابھرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سیکس موضوع اور اسلوب کی تخلیق کا سرچشمہ بھی ہے۔ لیکن اس موضوع کے اظہار کے لیے زبان و بیان پر گرفت ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس کے اظہار میں ذرا سی لغزش فنکار کو فحش نگار کے زمرے میں لا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ لیکن اگر فنکار سیکس کی اصل روح تک پہنچنے کی کوشش کرے اور زبان کی نزاکتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو پیش کرے تو قاری سیکس کی اس دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں آنند ہی آنند ہے۔ منٹو نے اپنے افسانوں میں سیکس کی اصل روح کو ہی پیش کیا ہے لیکن زیادہ تر نقادوں نے ان کے اسلوب کی نفاست اور لطافت کو سمجھے بغیر ان پر فحش نگاری کا الزام عاید کر دیا۔ یہاں تک کہ ان پر مقدمے بھی چلائے گئے اور انہیں صفائی دیتے ہوئے یہ کہنا پڑا:

''عورت اور مرد کا رشتہ فحش نہیں ہے۔ان کا ذکر بھی فحش نہیں۔لیکن جب اس رشتے کو چوراسی آسنوں یا جوڑ دار خفیہ تصویروں میں تبدیل کر دیا جاجائے اور لوگوں کو ترغیب دی جائے کہ وہ تخلیے میں اس رشتے کو غلط زاویے سے دیکھیں تو میں اس فعل کو صرف فحش ہی نہیں بلکہ نہایت گھناونا، مکروہ اور غیر صحت مند کہوں گا۔''

منٹو نے اس موضوع کے لیے جو اسلوب وضع کیا ہے اس سے جنسی تلذذ کی نفیس اور لطیف کیفیت پیدا ہوتی ہے۔اس میں تخریبی یا درندگی کے جذبات نہیں ابھرتے ہیں۔منٹو نے اس قسم کے افسانوں میں صرف سیکس کے ان تجربات کو پیش کیا ہے جن سے ہمیں جنسی آسودگی حاصل ہوتی ہے اور جنسی تلذذ کی روحانی کیفیت کا احساس ہوتا ہے۔'بلاؤز'، 'دھنوا'، 'شاردا'، 'خوشیا' اور 'بو' وغیرہ افسانوں میں جنسی تلذذ کے مختلف سطحیں ہیں اور تلذذ کی ان کیفیات کے اظہار کے لیے منٹوں نے جو اسلوب خلق کیا ہے اس کے بھی کئی Shades (رنگ) نظر آتے ہیں۔طوائفوں کے ساتھ جنسی تعلق کے جو Modes ہیں وہ دیگر جنسی تجربوں سے متعلق افسانوں سے بالکل مختلف ہیں۔مثلاً افسانہ 'ہتک' میں سیکس کا جو Degree of Satisfaction ہے وہ دوسرے نوعیت کی ہے۔اس افسانہ کے پہلے ہی پیراگراف، ''دن بھر تھکی ماندی وہ ابھی ابھی اپنے بستر پر لیٹی تھی اور لیٹتے ہی سو گئی تھی۔میونسپل کمیٹی کا داروغہ صفائی، جسے وہ سیٹھ کے نام سے پکارا کرتی تھی، ابھی ابھی اس کی ہڈیاں پسلیاں جھنجھوڑ کر شراب کے نشے میں چور، گھر کو واپس گیا تھا......'' سے معلوم ہوتا ہے کہ منٹو' کام سوتر' کے اصل جوہر سے واقف ہیں۔منٹو کے بعض نقادوں نے ''ہڈیاں پسلیاں جھنجھوڑ نے'' کی رعایت سے لکھا ہے کہ منٹو نے اس عبارت میں سوگندھی کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا ہے۔دراصل نقادوں نے اس عبارت کے اسلوب کو سمجھے بغیر یہ رائے دی ہے۔جبکہ حقیقت یہ کہ مباشرت کے پرم آنند کا احساس اسی وقت ہوتا ہے جب ہڈیاں پسلیاں جھنجھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

اسی طرح افسانہ 'بو' میں سیکس کی لذت کے اظہار کے لیے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے وہ منٹو کے جنسی تجربے اور روحانی لذتیت (Eroticism) سے اس طرح ہم آہنگ ہو گیا ہے کہ قاری بھی پرم آنند کی کیفیت سے محظوظ ہونے لگتا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منٹو نے صدیوں سے چلے آرہے ہندوستانی جنسی تقدس کے تصور کو از سرِ نو قاری سے متعارف کرا کر اس عمل کے ان پہلوؤں پر غور کرنے کے لیے امادہ کیا ہے جسے لوگ بھول چکے ہیں۔رندھیر اور گھاٹن لڑکی کے Sexo-Yogic لمحات کے بیان کے لیے منٹو نے جو اسلوب خلق کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیکس کی دیوی ''مہانا گنی'' نے سیکس کے دیوتا 'مہا ناگ' کو دبوچ لیا ہے اور آسمان سے جنسی تلذذ کے رسوں کی امرت ورشا شروع ہو گئی ہے۔بنجر دھرتی زرخیز ہو رہی ہے، پیڑ پودے سبز و شاداب ہو رہے ہیں۔ پھول کھلنے لگے ہیں اور ان کی خوشبوؤں سے عالم مہک اٹھا ہے۔یہ منٹو کے اسلوب کی جادوگری کا کمال ہے۔سیکس کی ایسی کیفیت اور فضا منٹو جیسا فنکار ہی پیدا کر سکتا ہے۔منٹو کے اسلوب سے منٹو کا فن، ان کے تجربے اور روح ہم آہنگ ہو کر جنسی تلذذ کو لافانی بنا دیا ہے۔منٹو کا کمال یہ ہے کہ مختلف النوع جنسی تجربات و احساسات کے اظہار کے لیے جو پیرایہ بیان اختیار کیا ہے اس میں ان کے اپنے تجربے شامل ہو گئے ہیں اور ان کے قاری بھی ویسا ہی محسوس کرنے لگتے ہیں جیسے ان کے افسانوں کے کرداروں نے محسوس کیا تھا۔افسانہ ''بو'' کے مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

''کھڑکی کے پاس باہر پیپل کے پتے رات کے دودھیالے اندھیرے میں جھوم روں کی طرح تھرتھرا رہے تھے اور نہا رہے تھے اور وہ گھاٹن لونڈیا رندھیر کے ساتھ کپکپاہٹ بن کر چمٹی ہوئی تھی''۔..........''رندھیر اس کے پاس بیٹھ گیا اور گانٹھ کھولنے لگا۔جب نہیں کھلی تو تھک ہار کر اس کے ایک ہاتھ میں چولی کا ایک سرا پکڑا، دوسرے ہاتھ میں دوسرا سرا اور زور سے جھٹکا دیا۔گرہ ایک دم پھسلی، رندھیر کے ہاتھ زور سے اِدھر اُدھر ہٹے اور دو دھڑکتی ہوئی چھاتیاں ایک دم نمایاں ہو گئیں۔لمحہ بھر کے لیے رندھیر نے سوچا کہ اس کے اپنے ہاتھوں نے اس گھاٹن لڑکی کے سینے پر نرم نرم گندھی ہوئی مٹی چابک دست کمہار کی طرح دو پیالوں کی شکل دے دی ہے''۔..........''اس بو نے اس لڑکی اور رندھیر کو ایک رات کے لئے آپس میں حل کر دیا تھا۔دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے تھے۔ان عمیق ترین گہرائیوں میں اتر گئے تھے، جہاں پہنچ کر انسانی لذت میں تبدیل ہو گئے

تھے۔ایسی لذت جولمحاتی ہونے کے باوجود دائمی تھی۔جو مائلِ پرواز ہونے کے باوجود ساکن اور جامد تھی''۔.....''دونوں ایک ایسا پنچھی بن گئے تھے جو آسمان کی نلاہٹوں میں مائلِ پرواز رہنے پر بھی غیر متحرک دکھائی دیتا ہے''۔.....''اس بوکو، جو اس گھاٹن لڑکی کے ہر مسام سے پھوٹ رہی تھی، رندھیرا اچھی طرح سمجھتا تھا۔حالانکہ وہ اس کا تجزیہ نہیں کرسکتا تھا۔جس طرح بعض اوقات مٹی پر پانی چھڑکنے سے سوندھی سوندھی بو نکلتی ہے۔لیکن نہیں، وہ بو کچھ اور ہی طرح کی تھی۔اس میں لونگ اور عطر کا مصنوعی پن نہیں تھا، وہ بالکل اصلی تھی''۔.....عورت اور مرد کے باہمی تعلقات کی طرح اصلی اور مقدس۔''(بو)

قدیم ہندوستانی فنکاروں نے جنسی عمل کے دوران عورت کے بدن سے نکلنے والی خوشبوؤں کو کبھی مٹّی کی سوندھی خوشبو تو کبھی جنگلی پھولوں اور خوشبودار پتوں کی خوشبو سے تعبیر کیا ہے۔جدید ماحولیاتی و جنسیاتی مطالعے کی رو سے دوران مباشرت عورت کے بدن سے نکلنے والی خوشبو سے ماحول کی کثافت دور ہوتی ہے۔منٹو نے بار بار'بُو' کا ذکر کرکے شاید حد درجہ آگہی کا ثبوت دیا ہے۔بعض جنسی ماہرین کا خیال ہے کہ مباشرت کے عمل کے دوران مرد کی پسندیدہ خوشبو عورت کے بدن سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے جو مرد کو اس قدر مدہوش کردیتی ہے کہ وہ جنسی عمل سے کبھی فارغ نہیں ہونا چاہتا ہے۔

منٹو کے اسلوب کے متعلق عام طور پر کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اردو کے علاوہ پنجابی، ہندی اور کشمیری الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ان کا اسلوب آسان ہے۔مکالموں میں عام بول چال کی زبان استعمال کرتے ہیں۔مشکل الفاظ اور نامانوس تراکیب ان کے یہاں شاید ہی کہیں نظر آتی ہیں۔ان کی تحریر میں ایک بے ساختہ پن ہے۔ان کا مشاہدہ جتنا باریک ہے ان کا بیان اتنا ہی صاف اور تفصیلی ہے۔منٹو کے اسلوب میں سادگی کے ساتھ ساتھ تاثیر اور جادو بیانی پائی جاتی ہے۔منٹو کے اسلوب کے متعلق یہ تمام باتیں درست ہونے کے باوجود ان سے منٹو کے افسانوی اسلوب کی اصل روح تک رسائی نہیں ہوتی کیوں کہ افسانوی اسلوب کے متعلق ایسے بیانات کسی بھی افسانہ نگار کے لیے دیئے جاسکتے ہیں۔منٹو کے اسلوب کی اصل روح کو اردو حروفِ تہجی کی ترتیب ونظام، اسماء، افعال اور مصمتوں ومصوّتوں کے خوشوں کے حساب کتاب یا اردو کی 'کوزی' اور 'معکوسی' آوازوں میں بھی تلاش نہیں کی جاسکتی ہے۔ان کے اسلوب کی اصل روح ان کے کرداروں کے حرکات وسکنات، جذبات واحساسات اور ان کے آس پاس کے ماحول سازی وفضا میں نظر آتی ہے جن میں منٹو کی شخصیت کا پرتو بھی موجود ہے۔منٹو کا اسلوب طوائفوں کی تاریک اور پست زندگی کی سسکیوں کے بیان میں، بشن سنگھ کے ذہنی کرب میں بھی اور 'سوگندھی' کی جھنجھلاہٹ کے اظہار میں یا پھر ان تحریروں میں نظر آتا ہے جہاں منٹو نے Sexuality کو Texuality میں تبدیل کردیا ہے۔اس کے علاوہ Altimate جنسی لذتیت کے ان لمحوں کے بیان میں نظر آتا ہے جہاں منٹو کے نسوانی کرداروں کے بدن سے طرح طرح کی خوشبو نکلنے کا احساس ہوتا ہے۔ان کے اسلوب کا اصل جوہر وہاں بھی نظر آتا ہے جہاں ان کے فن کی جمال وجلال اور ان کی روح افسانوں کے کرداروں کے جذبات واحساسات اور اعمال سے ہم آہنگ ہوگئے ہیں۔مختلف رنگوں کے پھولوں کی طرح منٹو کے اسلوب کے بھی کئی رنگ ہیں جو ایک دوسرے میں ضم ہوکر آفتاب کی شعاعوں کی طرح روشن اور تابناک ہوگئے ہیں جنہیں پہچاننے کے لیے کسی Prism کی نہیں بلکہ جمالیاتی ویژن کی ضرورت ہے۔

Residence: 262-D, Shipra Sun City, Indirapuram, Ghaziabad-201014
Mobile No: 09911796525
Website:people.du.ac.in/~aahmad